اسلام کا نظام عدل

تنزیل الرحمن ایم اے ایل ایل بی

دنیا مومن کے واسطے ایک دوسری بہتر دنیا (عالم آخرت) کے لئے صرف ایک گذر گاہ کی حیثیت رکھتی ہے اور قرآن پاک دوسرے افراد اور معاشرہ کے ساتھ اس سفر کو پرامن بنانے کے لئے معاشرتی اصولوں کی تدوین کرتا ہے یہ ناممکن ہے کہ سیاسی یا قانونی نظریات کو پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے علیحدہ کردیا جائے، جن سے مذہبی، خانگی، سماجی اور سیاسی زندگی سے متعلق طرز عمل کے اصول قائم ہوئے ہیں۔

رابرٹ هاؤٹ جیکسن، شریک جج سپریم کورٹ، ممالک متحدہ امریکہ

—: o :—

اسلام میں انصاف کا اصل سر چشمہ خداوند تعالیٰ کی ذات ہے اور اس سر چشمہ سے پیدا ہونے والے قوانین کا نفاذ مسلمانوں کی جماعت کے سپرد کیا گیا ہے چنانچہ اسلام نے قضایا داد رسی یا عدل گستری کو اہم ترین انسانی فرائض میں شامل کرتے ہوئے اسے مملکت کا اولین فرض قرار دیا ہے - عدل و انصاف کی اہمیت کے سلسلے میں قرآن پاک میں جابجا آیا ہے کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرو تو عدل سے فیصلہ کرو (۱) - کسی کی عداوت کی وجہ سے تم عدل سے باز نہ رہو بلکہ عدل کرو جو پرہیزگاری کا تقاضہ ہے (۲)- ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ '' اے ایمان والو انصاف پر قابض رہو اور اللہ کی طرف گواہی دو اگرچہ اپنا یا ماں باپ یا قرابت داروں کا نقصان ہو (۳) - ایک اور سورة میں داؤد علیہ السلام کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے داؤد ! ہم نے تم کو اس زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اس لئے تم لوگوں کے درمیان حق پر فیصلہ کرو اور خواہش کی پیروی مت کرو کیوں کہ تم اس سے اللہ کے راستے سے ہٹ جاؤگے (۴) - اسی طرح بیشتر احادیث نبوی میں بھی انصاف رسانی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے چنانچہ صرف ایک یہی حدیث اسلام میں انصاف کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ :

'' ایک ساعت جو انصاف میں صرف کی جائے ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے (۵) -

در حقیقت اسلام نے داد رسی کو واجب کفائی اور مستحب عینی قرار دیا ہے (۶) - سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط (۷) میں لکھا ہے کہ '' اسلام میں انصاف کا انحصار مذہبی اصول کے اطلاق پر ہے - '' اس لئے '' اس میں کسی مادی تصور کا دخل نہ ہونا چاہئے - '' اسی طرح خشالی نے انصاف رسانی کو مذہب کا ایک اہم اصول بتاتے ہوئے کہا ہے کہ '' عدالتی فرائض کی انجام دہی محض مذہبی نوعیت کا ایک فرض منصبی (Public Duty) نہیں ہے -

---

۱ - و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (سورة نساء ۵۸)

۲ - ولا یجر منکم شنان قوم علی الاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (سورة مائدہ: ۹)

۳ - یا یھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین (سورہ نساء: ۱۳۵)

۴ - یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ (سورة ص: ۲۶)

5. Abual Fazal, Mirza, *Sayings of the Prophet*, p. 76, Hadith : 308

۶ - ''آئین داد رسی در اسلام ''، سید محمد سنگلچی (تہران) ۱۳۲۹ شمسی (۱۹۵۰) ص ۹، ۱۰

۷ - المبسوط' قاھرہ (۱۳۲۴ھ) جلد ۱۶، ص ۶۷

بلکہ ایک عبادت اور مذہبی فریضہ کی تکمیل ہے (۸)- جس میں خوف خدا اور خشیت الہی شامل ہے اور یہی وہ تصور ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے قاضی یا جج کے اعمال و افعال کا ایک جزو بن جاتا ہے۔ اور اس کو اپنے عدالتی فرائض کی بجا آوری میں رشد و ہدایت اور مشعل راہ کا کام دیتا ہے۔

چنانچہ خلیفہ دوم حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا تو ایک فرمان کے ذریعہ انھیں ہدایت کی کہ ” قضا ایک خدائی فریضہ ہے اور پیغمبر اسلام کا واجب التعمیل حکم نیز طرز عمل ... اگر تمھارے پاس کوئی مقدمہ دائر ہو تو غور و فکر کے بعد پوری طرح سمجھ کر فیصلہ کرو اور تعمیل کراؤ کیونکہ بغیر تعمیل کے اچھے سے اچھا فیصلہ بھی بے کار ہے۔ فریقین سے برابری کا برتاؤ کرو تا کہ کمزور تمھارے عدل سے مایوس نہ ہوجائے اور طاقت ور اس سے بےجا فائدہ نہ اٹھائے۔ ... اگر کسی بات کے فیصلہ میں قرآن اور سنت میں کوئی چیز نہ ملے تو خوب غور و فکر اور نظائر اور مماثل امور کو ڈھونڈ کر قیاس کرو اور ایسا فیصلہ کرو جو خدا کو زیادہ پسند آئے اور حق سے زیادہ قریب ہو۔“

جہاں تک عدالتوں کے قیام اور اس کے نظام کا تعلق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مقدمات کا فیصلہ فرماتے تھے لیکن مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آپ نے دو قاضیوں کا تقرر فرمایا۔ آپ ان قاضیوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سنا کرتے تھے ” حضرت عمر کے عہد میں عدالت ایک جداگانہ صیغہ بن گیا۔ خلافت کی صوبہ وار تقسیم کے بعد ہر ضلع میں عدالتیں قائم کی گئیں اور قاضی مقرر کئے گئے (۹)۔

قاضیوں کا تقرر، برطرفی یا تبادلہ براہ راست خلیفہ خود کرتا تھا۔ بعض اوقات وہ یہ اختیار گورنر کو تفویض کرتا جو اپنے صوبہ میں قاضی مقرر کرتا

---

8. Majid Khadduri, *Law in the Middle East*, washington, (1955)

۹ - ” اسلام میں عدل گستری “— عبد الحفیظ صدیقی - حیدر آباد (۱۹۴۹)

تھا جو خلیفہ یا گورنر کے نائبین کی حیثیت سے قضاۃ کا کام سرانجام دیا کرتے تھے - خلافت راشدہ اور بنوامیہ کے عہد حکومت تک سارے قاضی براہ راست خلیفہ وقت سے متعلق رہے لیکن عباسیوں کے دور حکومت میں خلیفہ ہارون الرشید نے محکمہ قضا اور قاضیوں کی براہ راست نگرانی کے لئے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ قائم کیا - اس عہدہ پر سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد امام ابو یوسف کا تقرر عمل میں آیا - اسی زمانے سے قاضی القضاۃ کو قاضیوں کے عزل و نصب اور تبادلہ کے مکمل اختیارات حاصل ہوگئے - اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ نہ صرف خلفائے راشدین بلکہ ہارون الرشید اور اس جیسے دیگر مطلق العنان فرمانروا بھی قانون کی برتری اور عدالت کی سر بلندی کے آگے بلا چون و چرا سر تسلیم خم کرتے رہے ہیں -

خلافت راشدہ میں تمام قاضیوں کے علاوہ ایک عہدہ قاضی العساکر کا بھی تھا - یہ قاضی مجاہدین کے ساتھ جہاد میں جاتے اور مجاہدین کے نزاعات یا نئے مفتوحہ علاقوں میں عدالتی فرائض انجام دینا ، نئی عدالتیں قائم کرنا ان کے فرائض میں تھا - علاوہ ازیں اسلام میں ایک عہدہ محتسب کا بھی پایا جاتا ہے - محتسب در اصل قاضی ہی کا درجہ رکھتا تھا - اس کے دائرۂ اختیار میں ایسے امور تھے جو بلدیات کے احکام کی خلاف ورزی سے متعلق ہوں نیز عوام الناس کے آداب و اخلاق کی نگرانی گراں فروشی کی روک تھام اور ٹریفک کا انتظام بھی محتسب سے متعلق تھا -

بعض اوقات مخصوص مقدمات کی سماعت کے لئے خاص عدالتیں تشکیل کی جاتی تھیں - الماوردی کا بیان ہے کہ فوجیوں کے باہمی نزاعات کے تصفیہ کے لئے خصوصی جج مقرر کئے جاتے تھے مگر خاص عدالتوں کے اختیارات ہمیشہ محدود ہوتے تھے -

اسلام میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کے لئے علاحدہ عدالتیں نہیں تھیں بلکہ ہر ایک قاضی اپنے علاقہ میں بلا تخصیص مقدمات کی سماعت کرتا تھا ۔

اسلامی عدالتوں میں صرف ایک ہی قاضی اجلاس کرتا تھا ۔ موجودہ نظام ہائے عدالت کی طرح اجلاس متفقہ یا کاملہ کا دستور نہ تھا ۔

اسلام میں مشاورت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے ۔ آغاز اسلام ہی سے عموماً اور خلفائے راشدین کے عہد میں خصوصاً مقدمات کے فیصلوں میں صاحبان علم و بصیرت سے مشورے لئے جاتے تھے ۔ چنانچہ اسلام کے اچھے اور برے ہر دور میں یہ طریقہ برابر رائج رہا ہے کہ قاضیوں کی امداد کے لئے مفتیان شرع پر مشتمل مجلس مشاورت قائم تھی ۔

اسلام میں قانون کی بالا دستی اور بے خوف و خطر انصاف رسانی کے پیش نظر عدلیہ کو ایسا سر بلند مقام عطا کیا گیا ہے کہ آج کی متمدن دنیا میں بھی کوئی اور مذہب یا نظام صحیح معنی میں اس کا مدعی نہیں ہو سکتا ۔ اسلام کے نظام معدلت میں عدلیہ (Judiciary) عاملہ (Executive) سے علاحدہ ممتاز اور کاملاً آزاد ہے تا کہ عدلیہ کے عاملہ کے ماتحت ہونے سے انصاف متاثر نہ ہو ۔ چنانچہ وان ہامر Von Hammar لکھتا ہے کہ ”اسلامی نظام اپنی ابتدا ہی میں الفاظ اور افعال (زبانی و عملی) ہر دو اعتبار سے عدلیہ اور عاملہ کے مابین تفریق کا اعلان کرتا ہے (۱۰) ۔

اسلامی نظریہ انصاف سختی سے مساوات کی تلقین کرتا ہے ۔ چنانچہ اس کا اطلاق اعلیٰ و ادنی چھوٹے بڑے امیر و غریب سب پر یکساں صورت میں ہوتا

---

10. Syyed Amir Ali, *History of Saracens*, London (1901) p. 62

چاھئیے - قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ھے کہ " اگر کوئی غنی یا محتاج ھے تو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ھے - اس لئیے تم اپنے جی کی بات نہ مانو اگر تم بات بدل ڈالو یا کسی کو بچالے کی کوشش کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ھر کام سے واقف ھے (۱۱) -

چنانچہ معاملہ اگر عدل و انصاف کا ھوتا تو اس میں بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہ ھوتی بڑے سے بڑا جلیل القدر سلطان اور ایک معمولی شخص عدالت میں ایک ھی جگہ کھڑے نظر آتے - کسی کی سعی و سفارش کی قطعی ممانعت تھی چنانچہ آنحضرت کا مشہور تاریخی قول آج بھی اپنی جگہ پر قائم ھے کہ " محمد کی بیٹی فاطمہ بھی اگر چوری کرے گی تو اس کا ھاتھ کاٹ دیا جائیے گا (۱۲) -

اسلامی نظام عدلت میں ثبوت اور شہادت پر بڑا زور دیا گیا ھے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل گستری کا بنیادی اصول قرار دیا ھے کہ " بغیر ثبوت کے کسی دعوے کو صحیح نہیں مانا جاسکتا" (۱۳) -

چنانچہ احادیث میں تنقیح طلب امور اور پیش شدہ شہادت کی جانچ کے لئیے بہت سے احکام ملتے ھیں -

اسلامی نظام عدلت میں قانون شہادت کی ایک سب سے نمایاں خصوصیت جو دنیا کے کسی دوسرے نظام عدلت میں نظر نہیں آتی یہ ھے کہ گواھوں کا نصاب مقرر ھے یعنی یہ پہلے ھی سے متعین ھے کہ کس جرم یا مقدمہ میں کم از کم کتنے گواہ ھونا لازمی ھے - اسی طرح گواھوں کی اھلیت وغیرہ

---

۱۱ - ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا و ان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا (سورۃ نساء ۱۳۵)

۱۲ - روایت صحیح بخاری

۱۳ - روایت مسند احمد بن حنبل

سے متعلق بھی تفصیلی احکام موجود ھیں' لیکن قانون شہادت کے سلسلے کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ھے کہ گواہ کے چال چلن کی تحقیقات کی جاتی تھی کہ آیا وہ قابل اعتبار ھے یا نہیں ؟

اس اصول کو اصطلاح میں "تزکیہ شہود" کہا جاتا ھے - اس کا وجود عہد نبوی ھی سے ملتا ھے - خلافت راشدہ میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور تحقیقات خفیہ بھی کی جانے لگی - چنانچہ محکمہ قضاۃ میں گواھوں کے علاحدہ رجسٹر ترتیب دئے جاتے تھے -

اسلامی نظریہ' انصاف کا ایک بنیادی اصول یہ ھے کہ فیصلہ سختی کے ساتھ قانون کے مطابق ھونا چاھئے - اور قاضی یا جج کو سیاست اور حکومت وقت کے میلانات و رجحانات سے کسی طرح متاثر نہ ھونا چاھئے (۱۴)۔

اسلام میں انصاف شخص متضرر کا حق قرار دیا گیا ھے اور اس لئے اس کی لازمی شرط یہ قرار دی گئی ھے کہ وہ بلا معاوضہ ھو چنانچہ مدعی کو رسوم عدالت (Courtfees) کی قسم سے کوئی زیر باری نہ تھی (۱۵) -

اسلام نے دیگر نظام ھائے عدالت کی طرح عدالتی کارروائیوں کے مشتہر اور عام کرنے پر زور دیا ھے چنانچہ اسلام میں کھلی عدالتوں اور عدالت میں زبانی بیانات پر ابتدا ھی سے عمل کیا جاتا رھا ھے۔

اسلام کے نظام معدلت میں وکلاء کا موجودہ طریقہ (system) نافذ نہیں تھا البتہ وکیل کا بہ حیثیت کارندہ یا مختار کام کرنے کا وجود پایا جاتا ھے فقہ کی کتابوں میں کتاب الوکالت کے نام سے ایک باب پایا جاتا ھے مگر وکیل کی حیثیت موجودہ کارندہ یا مختار کی سی تھی - معاوضہ دیا جاتا تھا مگر لیا جانا لازمی نہ تھا - اصطلاح میں مقدمات کی پیروی کرنے والے کو

---

۱۴ - "نظام الحکم فی الاسلام" - علامہ تقی الدین نبہانی - ترجمہ مولانا مظہر علی کامل

15. Muhamdallah S. Jung, *Administration of Justice of Muslim Law*, Ilahabad, (1936) p. 9.

وکیل الخصومہ" کہا جاتا تھا اگر محنتانہ طے نہ ہوا ہو، مگر اس کا ادا کیا جانا مقصود ہو تو ایسی صورت میں بہ لحاظ نوعیت مقدمہ یا بہ حیثیت شخصی اجرالمثل دلایا جاتا تھا ۔

قاضی تاج الدین ابو نصر عبدالوھاب السبکی نے اپنی کتاب معید النعم و مبید النقم میں اس پیشہ کے جواز اور شرائط کے متعلق لکھا ہے کہ :

" ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ وکالت سے جن وکلاء کا مقصود ذات خداوندی کی خوشنودی ہو وہ مستحق تعریف ہیں - گو وہ اس کا محنتانہ ہی کیوں نہ لیں - لیکن جو وکلاء صرف مقدمہ لڑنا اور حقوق کو باطل کرنا چاہتے ہیں وہ قابل مذمت ہیں - وکلاء کا فرض یہ ہے کہ موکل سے صورت معاملہ کو خوب سمجھ لیں واقعہ سے واقف ہوجائیں اور یہ معلوم کرلیں کہ حق کس طرف ہے ... وہ دلیل ایسی پیش کریں جس کو وہ صحیح سمجھتے ہیں ... لیکن اگر وہ اس کو جھوٹ سمجھنے کے بعد بھی پیش کریں تو ان کا ٹھکانا جہنم میں ہے (١٦) ۔

---

١٦ ۔ "القضاء فی الاسلام" ۔ مولینا عبدالسلام ندوی ۔ اعظم گڑھ (١٩٢٩ء) ص ٢٩